شہادتِ حق

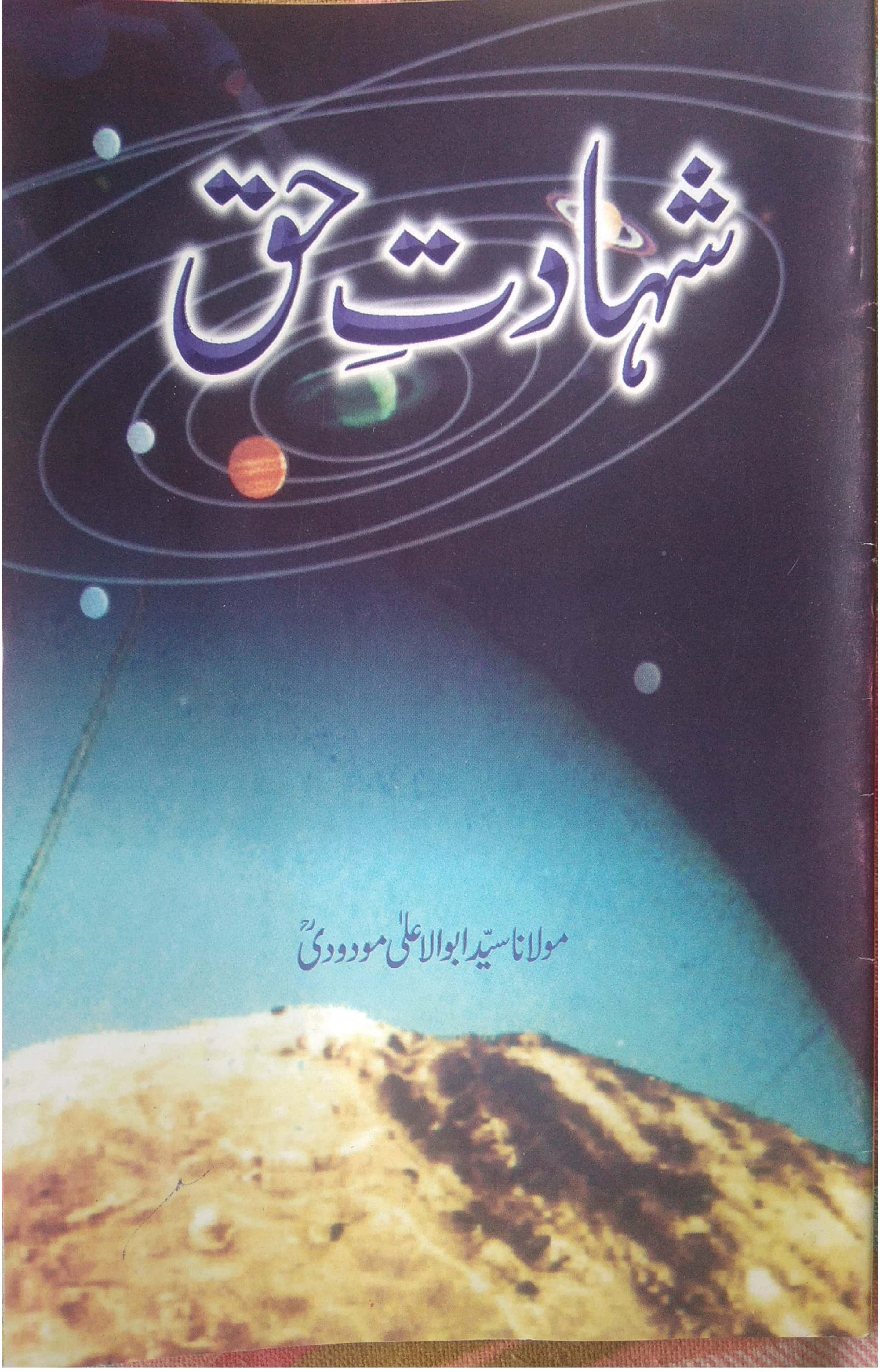

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

شہادتِ حق

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

ترتیب

- امت مسلمہ کا فرض اور مقصد وجود ۵
- شہادت حق ۷
- ادائے شہادت کا طریقہ ۹
- قولی شہادت ۱۱
- عملی شہادت ۱۳
- شہادت زور ۱۴
- ہمارا فرض منصبی ۱۶
- اصل مسئلہ ۱۷
- نصب العین ۱۹
- اجتماعیت ۲۰
- ہماری دعوت ۲۱
- نئی جماعت کا قیام ۲۳
- ہمارا لائحہ عمل ۲۳

- ایک الزام ۲۴
- امیر کی اصطلاح پر اعتراض ۲۸
- ایک مضحکہ خیز اعتراض اور اس کا ازالہ ۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّتِ مسلمہ کا فرض اور مقصد وجود

ساری تعریف اُس خدا کے لیے ہے جو کائنات کا تنہا خالق، مالک اور حاکم ہے جو کمال درجے کی حکمت، قدرت اور رحمت کے ساتھ اس میں فرماں روائی کر رہا ہے۔ جس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو علم و عقل کی قوتیں بخشیں، اُسے زمین میں اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور اُس کی رہ نمائی کے لیے کتابیں اُتاریں اور پیغمبر بھیجے۔ پھر خُدا کی بے شمار رحمتیں ہوں اس کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں پر جو انسان کو انسانیت سکھانے آئے۔ جنہوں نے آدمی کو اس کے مقصدِ زندگی سے خبردار کیا اور اسے دُنیا میں جینے کا صحیح طریقہ بتایا۔ آج دُنیا میں ہدایت کی روشنی، اخلاق کی پاکیزگی اور نیکی و پرہیزگاری جو کچھ بھی پائی جاتی ہے وہ سب خدا کے انہی برگزیدہ بندوں کی رہ نمائی کی بدولت ہے اور انسان کبھی ان کے بارِ احسان سے سبک دوش نہیں ہوسکتا۔

عزیزو اور دوستو! ہم اپنے اجتماعات کو دو حصوں میں تقسیم کیا کرتے ہیں۔ ایک حصہ اِس غرض کے لیے ہوتا ہے کہ ہم خود آپس میں بیٹھ کر اپنے کام کا جائزہ لیں اور اسے آگے بڑھانے کے لیے باہم مشورہ کریں۔ دوسرا حصہ اس مقصد کے لیے خاص ہوتا ہے کہ جس مقام پر ہمارا اجتماع ہو وہاں کے عام باشندوں کے سامنے ہم اپنی دعوت کو پیش کریں۔ اِس وقت کا یہ اجتماع اسی دوسری غرض کے لیے ہے۔ ہم نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ کو بتائیں کہ ہماری

دعوت کیا ہے اور کس چیز کی طرف ہم بُلاتے ہیں۔ ہماری دعوت کا خطاب ایک تو اُن لوگوں سے ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ دوسرے ان عام بندگانِ خدا سے ہے جو مسلمان نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ہمارے پاس ایک پیغام ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں دوسرے گروہ کے لوگ مجھے نظر نہیں آتے۔ یہ ہماری پچھلی غلطیوں اور آج کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے کہ خدا کے بندوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہم سے دُور ہو گیا ہے اور مشکل ہی سے کبھی ہم یہ موقع پاتے ہیں کہ ان کو اپنے پاس بُلا کر یا خود اُن کے قریب جا کر وہ پیغام ان کو سنائیں جو اُن کے اور ہمارے خدا نے ہم سب کی رہ نمائی کے لیے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ بہر حال اب کہ وہ موجود نہیں ہیں میں دعوت کے صرف اس حصے کو پیش کروں گا جو مسلمانوں کے لیے خاص ہے۔

مسلمانوں کو ہم جس چیز کی طرف بُلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ادا کریں جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ آپ صرف اتنا کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ ہم مُسلمان ہیں اور ہم نے خدا کو اور اس کے دین کو مان لیا۔ بلکہ جب آپ نے خدا کو اپنا خدا اور اس کے دین کو اپنا دین مانا ہے تو اس کے ساتھ آپ پر کچھ ذمّے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جن کا شعور آپ کو ہونا چاہیے اور جن کے ادا کرنے کی فکر آپ کو ہونی چاہیے۔ اگر آپ انھیں ادا نہ کریں گے تو اس کے وبال سے نہ دُنیا میں چھوٹ سکیں گے نہ آخرت میں۔ وہ ذمّے داریاں کیا ہیں؟ وہ صرف یہی نہیں ہیں کہ آپ خدا پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں۔ روزہ رکھیں، حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے ضابطے پر عمل کریں بلکہ ان سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بھاری ذمّے داری یہ عائد ہوتی ہے کہ آپ تمام دُنیا کے سامنے اس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔ مُسلمان کے نام سے قرآن میں آپ کو ایک مستقل اُمت بنانے کی جو واحد غرض بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگانِ خدا پر شہادتِ حق کی حجت پوری کریں۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔''

یہ آپ کی امت کا عین مقصدِ وجود ہے جسے آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی ہی اکارت گنوا دی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کیا ہوا فرض ہے کیوں کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ

(المائدۃ:۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، خُدا کی خاطر اُٹھنے والے اور ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔''

اور یہ نرا حکم ہی نہیں بلکہ تاکیدی حکم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ (البقرۃ:۱۴۰)

''اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے۔ آپ سے پہلے اس گواہی کے کٹہرے میں یہودی کھڑے کیے گئے تھے مگر اُنھوں نے کچھ تو حق کو چھپایا اور کچھ حق کے خلاف گواہی دی اور فی الجملہ حق کے نہیں بلکہ باطل کے گواہ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُنھیں دُھتکار دیا اور اُن پر وہ پھٹکار پڑی کہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

(البقرۃ:۶۱)

''ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھِر گئے۔''

شہادتِ حق

یہ شہادت جس کی ذمّے داری آپ پر ڈالی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے، جو صداقت آپ پر منکشف کی گئی ہے، انسان کے لیے فلاح ونجات کی ایک ہی راہ جو آپ کو دکھائی گئی ہے آپ دُنیا کے سامنے اس کے حق اور صداقت ہونے پر اور اس کے راہ راست ہونے پر گواہی دیں۔ ایسی گواہی جو اُس کے حق اور راستی ہونے کو مبرہن کردے۔ اور دُنیا کے لوگوں پر دین کی حجت پوری کردے۔ اسی شہادت کے لیے انبیاء علیہم السّلام دُنیا میں بھیجے گئے تھے اور اُس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا۔ پھر یہی شہادت تمام انبیاء کے بعد اُن کی اُمتوں پر فرض ہوتی رہی۔ اور اب خاتم النبیین ﷺ کے بعد یہ فرض امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح حضورؐ پر آپ کی زندگی میں شخصی حیثیت سے عائد تھا۔ اس گواہی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ نوعِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے باز پُرس اور جزا وسزا کا جو قانون مقرر کیا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس گواہی پر ہے اللہ تعالیٰ حکیم ورحیم اور قائم بالقسط ہے، اس کی حکمت ورحمت اور اس کے انصاف سے یہ بعید ہے کہ لوگوں کو اس کی مرضی نہ معلوم ہو اور وہ اُنھیں اس بات پر پکڑے کہ وہ اُس کی مرضی کے خلاف چلے۔ لوگ نہ جانتے ہوں کہ راہِ راست کیا ہے اور وہ ان کی کج روی پر ان سے مواخذہ کرے۔ لوگ اس سے بے خبر ہوں کہ اُن سے کس چیز کی باز پُرس ہونی ہے اور وہ ان جانی چیز کی ان سے باز پرس کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آفرینش کی ابتدا ہی ایک پیغمبر سے کی اور پھر وقتاً فوقتاً بے شمار پیغمبر بھیجے تاکہ وہ نوع انسانی کو خبر دار کریں کہ تمہارے معاملے میں تمہارے خالق کی مرضی یہ ہے، تمہارے لیے دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے، یہ رویّہ ہے جس سے تم اپنے مالک کی رضا کو پہنچ سکتے ہو، یہ کام ہیں جو تم کو کرنے چاہئیں اور یہ کام ہیں جن سے تم کو بچنا چاہیے۔ اور یہ اُمور ہیں جن کی تم سے باز پرس کی جائے گی۔ یہ شہادت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے دِلوائی اُس کی غرض قرآن مجید میں صاف صاف یہی بتائی گئی ہے کہ لوگوں کو اللہ پر یہ حجت قائم کرنے کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے اور آپ ہمیں اس چیز پر پکڑتے ہیں جس سے ہم کو خبر دار نہ کیا گیا تھا۔ رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ

لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًاo (النسآء:١٦٥) اس طرح خدا نے لوگوں کی حجت اپنے اوپر سے اُتار کر پیغمبروں پر ڈال دی۔ اور پیغمبر اس اہم ذمّے داری کے منصب پر کھڑے کردیے گئے کہ اگر وہ شہادتِ حق کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کردیں تو لوگ اپنے اعمال پر خود باز پُرس کے مستحق ہوں اور اگر اُن کی طرف سے اَدائے شہادت میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی گمراہی وکج روی کا مواخذہ پیغمبروں سے کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں پیغمبروں کے منصب کی نزاکت یہ تھی کہ یا تو وہ حق کی شہادت ٹھیک ٹھیک اَدا کرکے لوگوں پر حجت قائم کریں ورنہ لوگوں کی حجت اُلٹی اُن پر قائم ہوئی جاتی تھی کہ خدا نے حقیقت کا جو علم آپ حضرات کو دیا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ پہنچایا، اور جو صحیح طریق زندگی اس نے آپ کو بتایا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنے اوپر اس ذمّے داری کے بار کو شدّت کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اسی بنا پر اُنھوں نے اپنی طرف سے حق کی شہادت اَدا کرنے اور لوگوں پر حجت تمام کر دینے کی جان توڑ کوششیں کیں۔ پھر انبیاء علیہم السّلام کے ذریعے سے جن لوگوں نے حق کا علم اور ہدایت کا راستہ پایا وہ ایک اُمّت بنائے گئے اور وہی منصب شہادت کی نازک ذمے داری جس کا بار انبیاء پر ڈالا گیا تھا اب اس اُمّت کے حصے میں آئی اور انبیاء کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ مقام قرار پایا کہ اگر یہ امت شہادت کا حق اَدا کردے اور لوگ دُرست نہ ہوں تو یہ اجر پائے گی اور لوگ پکڑے جائیں گے۔ اور اگر یہ حق کی شہادت دینے میں کوتاہی کرے یا حق کے بجائے اُلٹی باطل کی شہادت دینے لگے تو لوگوں سے پہلے یہ پکڑی جائے گی۔ اس سے خود اُس کے اعمال کی باز پُرس بھی ہوگی اور ان لوگوں کے اعمال کی بھی جو اس کے صحیح شہادت نہ دینے یا غلط شہادت دینے کی وجہ سے گمراہ، مُفسد اور غلط کار رہے۔

ادائے شہادت کا طریقہ

حضرات! یہ ہے شہادتِ حق کی وہ نازک ذمّے داری، جو مجھ پر، آپ پر اور ان سب لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اُمتِ مسلمہ کہتے ہیں اور جن کے پاس خدا کی کتاب اور ان کے انبیاء کی ہدایت پہنچ چکی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس شہادت کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

شہادتیں دوطرح کی ہوتی ہیں: ایک قولی شہادت دوسرے عملی شہادت۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان اور قلم سے دُنیا پر اس حق کو واضح کریں جو انبیاء کے ذریعے سے ہمیں پہنچا ہے۔ سمجھانے اور دل نشیں کرنے کے جتنے طریقے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر، تبلیغ ودعوت اور نشرواشاعت کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سب کو استعمال کر کے علوم وفنون نے جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ سب اپنے ہاتھ میں لے کر ہم دُنیا کو اس دین کی تعلیم سے روشناس کریں جو خدا نے اِنسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ فکر واعتقاد میں، اخلاق وسیرت میں، تمدن ومعاشرت میں، کسبِ معاش اور لین دین میں، قانون اور نظم عدالت میں، سیاست اور تدبیرِ مملکت میں اور بین الانسانی معاملات کے تمام دوسرے پہلوؤں میں اس دین نے انسان کی رہ نمائی کے لیے جو کچھ پیش کیا ہے اُسے ہم خوب کھول کھول کر بیان کریں، دلائل اور شواہد سے اس کا حق ہونا ثابت کریں۔ اور جو کچھ اُس کے خلاف ہے اس پر معقول تنقید کر کے بتائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ اس قولی شہادت کا حق اَدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ امت مجموعی طور پر ہدایتِ خلق کے لیے اسی طرح فکرمند نہ ہو جس طرح انبیاء علیہم السّلام انفرادی طور پر اس کے لیے فکرمند رہا کرتے تھے۔ یہ حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہماری تمام اجتماعی کوششوں اور قومی سعی وجہد کا مرکزی نقطہ ہو۔ ہم اپنے دل ودماغ کی ساری قوتیں اور اپنے سارے وسائل وذرائع اس پر لگادیں، ہمارے تمام کاموں میں یہ مقصد لازماً ملحوظ رہے اور ہم اپنے درمیان سے کسی ایسی آواز کے اُٹھنے کو تو کسی حال میں برداشت ہی نہ کریں جو حق کے خلاف شہادت دینے والی ہو۔ رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان اُصولوں کا عملاً مظاہرہ کریں جن کو ہم حق کہتے ہیں۔ دُنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا ذکر نہ سنے بلکہ خود اپنی آنکھوں سے خود ہماری زندگی میں اُن کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کرلے۔ وہ ہمارے برتاؤ میں اس شیرینی کا ذائقہ چکھ لے جو ایمان کی حلاوت سے انسان کے اخلاق ومعاملات میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود دیکھ لے کہ اس دین کی رہ نمائی میں کیسے اچھے انسان بنتے ہیں، کیسی عادل سوسائٹی تیار ہوتی ہے، کیسی صالح معاشرت وجود میں آتی ہے، کس قدر سُتھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے،

کیسے صحیح خطوط پر علوم وآداب اور فنون کا نشوونما ہوتا ہے، کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور بے نزاع معاشی تعاون رونما ہوتا ہے، اور انفرادی واجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سُدھر جاتا ہے، سنور جاتا ہے اور بھلائیوں سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ اس شہادت کا حق صرف اس طرح اَدا ہوسکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت پر مجسّم شہادت بن جائیں۔ ہمارے افراد کا کردار اس کی صداقت کا ثبوت دے۔ ہمارے گھر اس کی خوشبو سے مہکیں، اور ہماری دوکانیں اور ہمارے کارخانے اس کی روشنی سے جگمگائیں، ہمارے اِدارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منور ہوں، ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے۔ ہماری قومی پالیسی اور اجتماعی سعی وجہد اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہو۔ غرض ہم سے جہاں اور جس حیثیت میں بھی کسی شخص یا قوم کو سابقہ پیش آئے وہ ہمارے شخصی اور قومی کردار میں اس بات کا ثبوت پالے کہ جن اصولوں کو ہم حق کہتے ہیں وہ واقعی حق ہیں اور ان سے فی الواقع انسانی زندگی اصلح اور اعلیٰ اور ارفع ہوجاتی ہے۔ پھر یہ عرض کردوں کہ اس شہادت کی تکمیل اگر ہوسکتی ہے تو صرف اس وقت جب کہ ایک اسٹیٹ انہی اُصولوں پر قائم ہوجائے اور وہ پورے دین کو عمل میں لاکر اپنے عدل وانصاف سے، اپنے اصلاحی پروگرام سے، اپنے حُسن انتظام سے، اپنے اَمن سے، اپنے باشندوں کی فلاح وبہبود سے، اپنے حکمرانوں کی نیک سیرت سے، اپنی صالح داخلی سیاست سے، اپنی راست بازانہ خارجی پالیسی سے، اپنی شریفانہ جنگ سے، اور اپنی وفادارانہ صلح سے، ساری دُنیا کے سامنے اس بات کی شہادت دے کہ جس دین نے اس اسٹیٹ کو جنم دیا ہے وہ درحقیقت انسانی فلاح کا ضامن ہے اور اسی کی پیروی میں نوع انسانی کی بھلائی ہے۔ یہ شہادت جب قولی شہادت کے ساتھ مل جائے تب وہ ذمّے داری پوری طرح اَدا ہوجاتی ہے جو اُمّتِ مسلمہ پر ڈالی گئی ہے، تب نوع انسانی پر بالکل اتمام حجت ہوجاتا ہے اور تب ہی ہماری اُمت اِس قابل ہوسکتی ہے کہ آخرت کی عدالت میں نبی ﷺ کے بعد کھڑی ہو کر شہادت دے سکے کہ جو کچھ حضور نے ہم کو پہنچایا تھا وہ ہم نے لوگوں تک پہنچادیا۔ اور اس پر بھی جو لوگ راہِ راست پر نہ آئے وہ اپنی کج روی کے خود ذمّے دار ہیں۔

قولی شہادت

حضرات! یہ تو وہ شہادت ہے جو مُسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں قول و عمل میں دینی چاہیے تھی۔ مگر اب دیکھیے کہ آج ہم فی الواقع کیا شہادت دے رہے ہیں۔ پہلے قولی شہادت کا جائزہ لیجیے۔ ہمارے اندر ایک بہت ہی قلیل گروہ ایسا ہے جو کہیں انفرادی طور پر اور کہیں اجتماعی طور پر زبان و قلم سے اسلام کی شہادت دیتا ہے اور اس میں بھی ایسے لوگ شاید اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس شہادت کو اس طرح ادا کر رہے ہوں، جیسا اُس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اس شرذمۂ قلیل کو اگر آپ الگ کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ مُسلمانوں کی عام شہادت اسلام کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف جا رہی ہے۔ ہمارے زمین دار شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کا قانونِ وراثت غلط ہے اور جاہلیت کے رواج صحیح ہیں۔ ہمارے وکیل اور جج اور مجسٹریٹ شہادت دے رہے ہیں کہ اِسلام کے سارے قوانین غلط ہیں۔ بلکہ اسلامی قانون کا بنیادی نظریہ ہی قابل قبول نہیں اور صحیح صرف وہ قوانین ہیں جو انسانوں نے وضع کیے ہیں۔ ہمارے معلم اور پروفیسر اور تعلیمی ادارے شہادت دے رہے ہیں کہ فلسفہ و حکمت، تاریخ و اجتماعیات، معاشیات و سیاسیات اور قانون و اخلاق کے متعلق وہی نظریات برحق ہیں جو مغرب کی ملحدانہ تعلیم سے ماخوذ ہیں اور ان اُمور میں اِسلام کا نقطۂ نظر قابل التفات تک نہیں ہے۔ ہمارے ادیب شہادت دے رہے ہیں کہ اُن کے پاس بھی ادب کا وہی پیغام ہے جو امریکہ، انگلستان، فرانس اور روس کے دہری ادیبوں کے پاس ہے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے ادب کی سرے سے کوئی مستقل رُوح ہی نہیں ہے۔ ہمارا پریس شہادت دے رہا ہے کہ اُن کے پاس بھی مباحث اور مسائل اور پروپیگنڈہ کے وہی انداز ہیں جو غیر مسلموں کے پاس ہیں۔ ہمارے تاجر اور اہلِ صنعت شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام نے لین دین پر جو حدود قائم کیے ہیں وہ نا قابلِ عمل ہیں اور کاروبار صرف انہی طریقوں پر ہو سکتا ہے جن پر کفار عامل ہیں۔ ہمارے لیڈر شہادت دے رہے ہیں کہ اُن کے پاس بھی قومیت اور وطنیت کے وہی نعرے ہیں، وہی قومی مقاصد ہیں،

قومی مسائل کو حل کرنے کے وہی ڈھنگ ہیں، سیاست اور دستور کے وہی اُصول ہیں جو کفار کے پاس ہیں اور اسلام نے اس بارے میں کوئی رہ نمائی نہیں کی ہے۔ ہمارے عوام شہادت دے رہے ہیں کہ اُن کے پاس زبان کا کوئی مصرف دُنیا اور اُس کے معاملات کے سوا نہیں ہے۔ اور وہ کوئی ایسا دین رکھتے ہی نہیں جس کا وہ چرچا کریں یا جس کی باتوں میں وہ اپنا کچھ وقت صرف کریں۔ یہ ہے وہ قولی شہادت جو مجموعی طور پر ہماری پوری امت ہندستان ہی میں نہیں، ساری دُنیا میں دے رہی ہے۔

عملی شہادت

اب عملی شہادت کی طرف آئیے اُس کا حال قولی شہادت سے بھی بدتر ہے۔ بلاشبہ کہیں کہیں کچھ صالح افراد ہمارے اندر ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی زندگی میں اسلام کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر سوادِ اعظم کا حال کیا ہے؟ انفرادی طور پر عام مُسلمان اپنے عمل میں اسلام کی جو نمائندگی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کے زیرِ اثر پرورش پانے والے افراد کسی حیثیت سے بھی کفر کے تیار کیے ہوئے افراد سے بلند یا مختلف نہیں ہیں بلکہ بہت سی حیثیتوں سے اُن کی بہ نسبت فروتر ہیں۔ وہ جھوٹ بول سکتے ہیں، وہ خیانت کر سکتے ہیں، وہ ظلم کر سکتے ہیں، وہ دھوکہ دے سکتے ہیں، وہ قول و قرار سے پھر سکتے ہیں، وہ چوری اور ڈاکہ زنی کر سکتے ہیں، وہ دَنگا اور فساد کر سکتے ہیں، وہ بے غیرتی اور بے حیائی کے سارے کام کر سکتے ہیں، اور ان سب بد اخلاقیوں میں ان کا اوسط کسی کافر قوم سے کم نہیں ہے، پھر ہماری معاشرت، ہمارا رہن سہن، ہمارے رسم و رواج اور ہماری تقریبات، ہمارے میلے اور عُرس، ہمارے جلسے اور جلوس، غرض ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں ہم اسلام کی کسی حد تک بھی صحیح نمائندگی کرتے ہوں۔ یہ چیز گویا اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ اسلام کے پیرو خود ہی اپنے لیے اسلام کے بجائے جاہلیت کو زیادہ قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں۔ ہم مدرسے بناتے ہیں تو علم اور نظامِ تعلیم اور رُوحِ تعلیم سب کچھ کفار سے لیتے ہیں، ہم انجمنیں قائم کرتے ہیں تو مقصد، نظام اور طریق کار سب کچھ وہی رکھتے ہیں جو کفار

کی کسی انجمن کا ہوسکتا ہے۔ ہماری پوری قوم بحیثیت مجموعی کوئی جدوجہد کرنے اُٹھتی ہے تو اس کا مطالبہ، اس کی جدوجہد کا طریقہ، اُس کی جمعیت کا دستور و نظام، اس کی تجویزیں، تقریریں اور بیانات سب کچھ ہو بہو کافر قوموں کی جدوجہد کا چربہ ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جہاں ہماری آزاد یا نیم آزاد حکومتیں موجود ہیں وہاں بھی ہم نے اساسِ حکومت، نظامِ حکومت، اور مجموعۂ قوانین کفار سے لے لیا ہے، اسلام کا قانون بعض حکومتوں میں صرف پرسنل لا کی حد تک رہ گیا ہے اور بعض نے اس کو بھی ترمیم کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ حال میں ایک انگریز مصنف Lawrence Brown نے اپنی کتاب The Prospects of Islam میں طعنہ دیا ہے کہ ہم نے جب ہندستان میں اسلام کے دیوانی اور فوج داری قوانین کو دقیانوسی اور ناقابلِ عمل سمجھ کر منسوخ کیا تھا اور مسلمانوں کے لیے صرف اُن کے پرسنل لا کو رہنے دیا تھا تو مسلمانوں کو یہ سخت ناگوار ہوا تھا کیوں کہ اس طرح ان کی پوزیشن وہی ہوئی جاتی تھی جو کبھی اسلام کی حکومت میں ذمیوں کی تھی لیکن اب صرف یہی نہیں کہ ہندستان کے مسلمانوں نے اُسے پسند کرلیا ہے بلکہ خود مسلمان حکومتوں نے بھی اس معاملے میں ہمارے تقلید کی ہے، ترکی اور البانیہ نے تو اس سے تجاوز کرکے قوانینِ نکاح وطلاق و وراثت تک میں بھی ہمارے معیارات کے مطابق ''اصلاحات'' کردی ہیں۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ مسلمانوں کا یہ تصور کہ قانون کا ماخذ ارادۂ الٰہی ہے ایک مقدّس افسانے... (Pious Fiction) سے زیادہ کچھ نہ تھا... یہ ہے وہ عملی شہادت جو تمام دُنیا کے مسلمان تقریباً متفق ہوکر اسلام کے خلاف دے رہے ہیں۔ ہم زبان سے خواہ کچھ کہیں، مگر ہمارا اجتماعی عمل گواہی دے رہا ہے کہ اس دین کا کوئی طریقہ ہمیں پسند نہیں اور اس کے کسی قانون میں ہم اپنی فلاح و نجات نہیں پاتے۔

شہادتِ زُور

یہ کتمانِ حق اور یہ شہادتِ زُور جس کا ہم ارتکاب کر رہے ہیں اس کا انجام بھی ہمیں وہی کچھ دیکھنا پڑا ہے جو ایسے سخت جُرم کے لیے قانونِ الٰہی میں مقرر ہے۔ جب کوئی قوم خدا کی نعمت کو ٹھکراتی ہے اور اپنے خالق سے غداری کرتی ہے تو خدا اس کو دُنیا میں بھی عذاب دیتا ہے اور

آخرت میں بھی۔ یہودیوں کے معاملے میں خُدا کی یہ سنّت پوری ہوچکی ہے اور اب ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ خدا کو یہود سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی کہ وہ صرف انھیں کو اس جرم کی سزا دیتا۔ اور ہمارے ساتھ اس کی کوئی رشتے داری نہیں کہ ہم اسی جُرم کا ارتکاب کریں اور سزا سے بچ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کی شہادت دینے میں جتنی جتنی کوتاہی کرتے گئے ہیں اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے، ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے ہیں۔ پچھلی ایک ہی صدی کے اندر مراکش سے لے کر شرق الہند تک ملک کے ملک ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ مسلمان قومیں ایک ایک کرکے مغلوب اور محکوم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمان کا نام فخر و عزت کا نام نہ رہا بلکہ ذلّت و مسکنت اور پس ماندگی کا نشان بن گیا۔ دُنیا میں ہماری کوئی آبرو باقی نہ رہی۔ کہیں ہمارا قتلِ عام ہوا، کہیں ہم گھر سے بے گھر کیے گئے، کہیں ہم کو سوء العذاب کا مزہ چکھایا گیا اور کہیں ہم کو چاکری اور خدمت گاری کے لیے زندہ رکھا گیا۔ جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں باقی رہ گئیں وہاں بھی اُنھوں نے شکستوں پر شکستیں کھائیں اور آج اُن کا حال یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کے خوف سے لرز رہے ہیں۔ حالاں کہ اگر وہ اسلام کی قولی و عملی شہادت دینے والے ہوتے تو کفر کے علم برداران کے خوف سے کانپ رہے ہوتے۔ دُور کیوں جائیے خود ہندستان میں اپنی حالت دیکھ لیجیے۔ ادائے شہادت میں جو کوتاہی آپ نے کی بلکہ اُلٹی خلافِ حق شہادت جو آپ اپنے قول و عمل سے دیتے رہے اسی کا تو نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا ملک آپ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ پہلے مرہٹوں اور سکھوں کے ہاتھوں آپ پامال ہوئے۔ پھر انگریز کی غلامی آپ کو نصیب ہوئی۔ اور اب پچھلی پامالیوں سے بڑھ کر پامالیاں آپ کے سامنے آرہی ہیں۔ آج آپ کے سامنے سب سے بڑا سوال اکثریت واقلیت کا ہے اور آپ اس اندیشے سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں ہندو اکثریت آپ کو اپنا محکوم نہ بنالے۔ اور آپ وہ انجام نہ دیکھیں جو شودر قومیں دیکھ چکی ہیں۔ مگر خُدارا مجھے بتائیے کہ اگر آپ اسلام کے سچے گواہ ہوتے تو یہاں کوئی اکثریت ایسی ہوسکتی تھی جس سے آپ کو کوئی خطرہ ہوتا؟ یا آج بھی اگر آپ قول و عمل سے اسلام کی گواہی دینے والے بن جائیں تو کیا یہ اقلیت واکثریت کا سوال چند سال کے اندر ہی ختم نہ ہوجائے گا؟ عرب

میں ایک فی لاکھ کی اقلیت کو نہایت متعصب اور سخت ظالم اکثریت نے دُنیا سے نیست و نابود کر دینے کی ٹھانی تھی، مگر اسلام کی سچی گواہی نے دس سال کے اندر اسی اقلیت کو سو فی صد اکثریت میں تبدیل کر دیا۔ پھر جب یہ اسلام کے گواہ عرب سے باہر نکلے تو پچیس سال کے اندر تُرکستان سے لے کر مراکش تک قومیں کی قومیں اُن کی شہادت پر ایمان لاتی چلی گئیں۔ اور جہاں سو فی صد مجوسی، بُت پرست اور عیسائی رہتے تھے وہاں سو فی صد مُسلمان بسنے لگے۔ کوئی ہٹ دھرمی، کوئی قومی عصبیت اور کوئی مذہبی تنگ نظری اتنی سخت ثابت نہ ہوئی کہ حق کی زندہ اور سچی شہادت کے آگے قدم جما سکتی۔ اب اگر آپ پامال ہو رہے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے شدید تر پامالی کے خطرے میں مبتلا پاتے ہیں تو یہ کتمانِ حق اور شہادتِ زُور کی سزا کے سوا اور کیا ہے۔ یہ تو اس جُرم کی وہ سزا ہے جو آپ کو دنیا میں مل رہی ہے۔ آخرت میں اس سے سخت تر سزا کا اندیشہ ہے۔ جب تک آپ حق کے گواہ ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض انجام نہیں دیتے اس وقت تک دُنیا میں جو گمراہی بھی پھیلے گی، جو ظلم و فساد اور طغیان بھی برپا ہوگا، جو بداخلاقیاں اور بدکرداریاں بھی رواج پائیں گی ان کی ذمّے داری سے آپ بَری نہیں ہو سکتے۔ آپ اگر ان بُرائیوں کے پیدا کرنے کے ذمے دار نہیں ہیں تو ان کی پیدائش کے اسباب باقی رکھنے اور اُنھیں پھیلنے کی اجازت دینے کے ذمے دار ضرور ہیں۔

ہمارا فرضِ منصبی

حضرات! یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مُسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں کرنا کیا چاہیے تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اُس کا خمیازہ کیا بھگت رہے ہیں؟ اس پہلو سے اگر آپ حقیقتِ معاملہ پر نگاہ ڈالیں گے تو یہ بات خود ہی آپ پر کھل جائے گی کہ مسلمانوں نے ہندستان میں اور دُنیا کے دوسرے ملکوں میں جن مسائل کو اپنی قومی زندگی کے اصل مسائل سمجھ رکھا ہے اور جنھیں حل کرنے کے لیے وہ کچھ اپنے ذہن سے گھڑی ہوئی اور زیادہ تر دوسروں سے سیکھی ہوئی تدبیروں پر اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے

ہیں، فی الواقع اُن میں سے کوئی بھی ان کا اصل مسئلہ نہیں ہے اور اس کے حل کی تدبیر میں وقت، قوت، اور مال کا یہ سارا صرفہ محض ایک زیاں کاری ہے۔ یہ سوالات کہ کوئی اقلیت ایک غالب اکثریت کے درمیان رہتے ہوئے اپنے وجود اور مفاد اور حقوق کو کیسے محفوظ رکھے، اور کوئی اکثریت اپنے حدود میں وہ اقتدار کیسے حاصل کرے جو اکثریت میں ہونے کی بنا پر اسے ملنا چاہیے، اور ایک محکوم قوم کسی غالب قوم کے تسلط سے کس طرح آزاد ہو، اور ایک کم زور قوم کسی طاقت ور قوم کی دست بُرد سے اپنے آپ کو کس طرح بچائے اور ایک پس ماندہ قوم وہ ترقی، خوش حالی اور طاقت کیسے حاصل کرے جو دُنیا کی زور آور قوموں کو حاصل ہے؟ یہ اور ایسے ہی دوسرے مسائل غیر مسلموں کے لیے تو ضرور اہم ہیں اور مقدم ترین مسائل ہو سکتے ہیں اور اُن کی تمام توجہات اور کوششوں کے مرکز و محور بھی قرار پا سکتے ہیں مگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ بجائے خود مستقل مسائل نہیں ہیں بلکہ محض اس غفلت کے شاخسانے ہیں جو ہم اپنے اصل کام سے برتتے رہے اور آج تک برتتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے وہ کام کیا ہوتا تو آج اتنے بہت سے پیچیدہ اور پریشان کن مسائل کا یہ جنگل ہمارے لیے پیدا ہی نہ ہوتا اور اگر اب بھی ہم اِس جنگل کو کاٹنے میں اپنی قوتیں صرف کرنے کے بجائے اس کام پر اپنی ساری توجہ اور سعی مبذول کر دیں تو دیکھتے دیکھتے نہ صرف ہمارے لیے بلکہ ساری دُنیا کے لیے پریشان کن مسائل کا یہ جنگل خود بخود صاف ہو جائے۔ کیوں کہ دُنیا کی صفائی و اصلاح کے ذمّے دار ہم تھے۔ ہم نے اپنا فرضِ منصبی ادا کرنا چھوڑا تو دُنیا خار دار جنگلوں سے بھر گئی اور سب سے زیادہ پُر خار حصہ ہمارے نصیب میں لکھا گیا۔

اصل مسئلہ

افسوس ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا اور سیاسی رہ نما اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہر جگہ اُن کو یہی باور کرائے جا رہے ہیں کہ تمہارے اصل مسائل وہی اقلیت و اکثریت اور آزادیِ وطن اور تحفظِ قوم اور مادّی ترقی کے مسائل ہیں نیز یہ حضرات ان مسائل کے حل کی تدبیریں بھی مسلمانوں کو وہی کچھ بتا رہے ہیں جو انھوں نے غیر مسلموں سے سیکھی ہیں۔ لیکن میں

جتنا خدا کی ہستی پر یقین رکھتا ہوں اتنا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ یہ آپ کی بالکل غلط رہ نمائی کی جا رہی ہے اور ان راہوں پر چل کر آپ کبھی اپنی فلاح کی منزل کو نہ پہنچ سکیں گے۔ میں آپ کا سخت بدخواہ ہوں گا اگر لاگ لپیٹ کے بغیر آپ کو صاف صاف نہ بتادوں کہ آپ کی زندگی کا اصل مسئلہ کیا ہے، میرے علم میں آپ کا حال اور مستقبل معلق ہے اس سوال پر کہ آپ اِس ہدایت کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں جو آپ کو خدا کے رسولؐ کی معرفت پہنچی ہے، جس کی نسبت سے آپ کو مسلمان کہا جاتا ہے اور جس کے تعلق سے آپ —— خواہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں بہر حال دُنیا میں اسلام کے نمائندے قرار پاتے ہیں۔ اگر آپ اس کی صحیح پیروی کریں اور اپنے قول اور عمل سے اس کی سچی شہادت دیں اور آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے، تو آپ دُنیا میں سربلند اور آخرت میں سُرخرو ہو کر رہیں گے۔ خوف اور حزن، ذِلّت اور مسکنت، مغلوبی اور محکومی کے یہ سیاہ بادل جو آپ پر چھائے ہوئے ہیں چند سال کے اندر چھٹ جائیں گے۔ آپ کی دعوتِ حق اور سیرتِ صالحہ دِلوں اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائے گی۔ آپ کی ساکھ اور دھاک دُنیا پر بیٹھتی چلی جائے گی۔ انصاف کی اُمیدیں آپ سے وابستہ کی جائیں گی۔ بھروسا آپ کی امانت اور دیانت پر کیا جائے گا۔ سند آپ کے قول کی لائی جائے گی۔ بھلائی کی توقعات آپ سے باندھی جائیں گی۔ ائمۂ کفر کی کوئی ساکھ آپ کے مقابلے میں باقی نہ رہ جائے گی۔ اُن کے تمام فلسفے اور سیاسی و معاشی نظریے آپ کی سچائی اور راست روی کے مقابلے میں جھوٹے ملمع ثابت ہوں گے۔ اور وہ طاقتیں جو آج ان کے کیمپ میں نظر آ رہی ہیں ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لیے پریشان ہوگا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لیے لرزہ براندام ہوگی۔ مادّہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونی ورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی۔ اور یہ آج کا دَور صرف تاریخ میں ایک داستانِ عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اِسلام جیسی عالم گیر و جہاں کُشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیّوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے۔ یہ مستقبل تو آپ

کا اس صورت میں ہے جب کہ آپ اِسلام کے مخلص پیرو اور سچے گواہ ہوں۔ لیکن اگر اس کے برعکس آپ کا رویّہ یہ رہا کہ خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت پر مار زر بنے بیٹھے ہیں نہ خود اس سے مستفید ہوتے ہیں نہ دوسروں کو اس کا فائدہ پہنچنے دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر نمائندے تو اِسلام کے بنے ہوئے ہیں مگر اپنے مجموعی قول و عمل سے شہادت زیادہ تر جاہلیت، شرک، دُنیا پرستی اور اخلاقی بے قیدی کی دے رہے ہیں۔ خدا کی کتاب طاق پر رکھی ہے اور رہ نمائی کے لیے ہر امامِ کفر اور منبعِ ضلالت کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔ دعویٰ خدا کی بندگی کا ہے اور بندگی ہر شیطان اور ہر طاغوت کی کی جا رہی ہے۔ دوستی اور دُشمنی نفس کے لیے ہے اور فریق دونوں صورتوں میں اِسلام کو بنایا جا رہا ہے اور اس طرح اپنی زندگی کو بھی اسلام کی برکتوں سے محروم کر رکھا ہے اور دُنیا کو بھی اس کی طرف راغب کرنے کے بجائے اُلٹا متنفر کر رہے ہیں۔ تو اِس صورت میں نہ آپ کی دُنیا ہی دُرست ہو سکتی ہے اور نہ آخرت۔ اس کا انجام تو سنّت اللہ کے مطابق وہی کچھ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور بعید نہیں کہ مستقبل اس حال سے بھی بدتر ہو۔ اِسلام کا لیبل اُتار کر کھلم کھلا کفر اختیار کر لیجیے تو کم از کم آپ کی دُنیا تو ویسی ہی بن جائے گی جیسی امریکہ، روس اور برطانیہ کی بنی ہوئی ہے۔ لیکن مُسلمان ہو کر نا مسلمان بنے رہنا اور خدا کے دین کی جھوٹی نمائندگی کر کے دُنیا کے لیے بھی ہدایت کا دروازہ بند کر دینا وہ جُرم ہے جو آپ کو دُنیا میں بھی نہ پنپنے دے گا۔ اِس جُرم کی سزا جو قرآن میں لکھی ہوئی ہے اور جس کا زندہ ثبوت یہودی قوم آپ کے سامنے موجود ہے اس کو آپ ٹال نہیں سکتے۔ خواہ متحدہ قومیّت کے "اہون البلیتین" کو اختیار کریں یا اپنی الگ قومیت منوا کر وہ سب کچھ حاصل کریں جو مسلم قوم پرستی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس کے ٹلنے کی صورت صرف یہی ہے کہ اس جُرم سے باز آ جائیے۔

نصب العین

اَب میں مختصراً آپ کو بتاؤں گا کہ ہم کس غرض کے لیے اُٹھے ہیں۔ ہم ان سب لوگوں کو جو اسلام کو اپنا دین مانتے ہیں، یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس دین کو واقعی اپنا دین بنائیں۔ اس کو انفرادی طور پر اپنی زندگیوں میں اور اجتماعی طور پر اپنے گھروں، اپنے خاندان میں، اپنی سوسائٹی

میں، اپنی تعلیم گاہوں میں، اپنے اَدب اور صحافت میں، اپنے کاروبار اور معاشی معاملات میں، اپنی انجمنوں اور قومی اداروں میں اور بحیثیت مجموعی اپنی قومی پالیسی میں عملاً قائم کریں اور اپنے قول اور عمل سے دُنیا کے سامنے اس کی سچی گواہی دیں، اور ہم ان سے کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اقامتِ دین اور شہادتِ حق تمہاری زندگی کا اصل مقصد ہے اس لیے تمہاری تمام سعی وعمل کا مرکز ومحور اسی چیز کو ہونا چاہیے۔ ہر اس بات اور کام سے دست کش ہو جاؤ، جو اس کی ضد ہو اور جس سے اِسلام کی غلط نمائندگی ہوتی ہو۔ اِسلام کو سامنے رکھ کر اپنے پورے قولی اور عملی رویے پر نظرِ ثانی کرو۔ اور اپنی تمام کوششیں اس راہ میں لگا دو کہ دین پورا کا پورا عملاً قائم ہو جائے۔ اس کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا ہو۔ اور اس کی طرف دُنیا کو ایسی دعوت دی جائے جو تمامِ حجت کے لیے کافی ہو۔

یہ ہے جماعتِ اسلامی کے قیام کی واحد غرض۔ اِس غرض کو پورا کرنے کے لیے جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہیں اور انھیں صاف صاف بتاتے ہیں کہ اسلام کیا ہے، اس کے تقاضے کیا ہیں، مسلمان ہونے کے معنیٰ کیا ہیں اور مسلمان ہونے کے ساتھ کیا ذمّے داریاں آدمی پر عائد ہوتی ہیں؟

اجتماعیت

اِس چیز کو جو لوگ سمجھ لیتے ہیں ان کو پھر ہم یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کیے جا سکتے، اس کے لیے اجتماعی سعی ضروری ہے۔ دین کا ایک بہت ہی قلیل حصہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس کو تم نے قائم کر بھی لیا تو نہ پورا دین ہی قائم ہوگا اور نہ اُس کی شہادت ہی اَدا ہو سکے گی بلکہ جب اجتماعی زندگی پر نظامِ کفر مسلط ہو تو خود انفرادی زندگی کے بھی بیشتر حصوں میں دین قائم نہ کیا جا سکے گا۔ اور اجتماعی نظام کی گرفت روز بروز اس انفرادی اسلام کی حدود کو گھٹاتی چلی جائے گی۔ اِس لیے پورے دین کو قائم کرنے اور اس کی صحیح شہادت اَدا کرنے کے لیے قطعاً ناگزیر ہے کہ تمام ایسے لوگ جو مسلمان ہونے کی ذمّے داریوں کا

شعور اور اُنھیں اَدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، متحد ہو جائیں اور منظم طریقے سے دین کو عملاً قائم کرنے اور دُنیا کو اس کی طرف دعوت دینے کی کوشش کریں، اور ان مزاحمتوں کو راستے سے ہٹائیں جو اقامتِ دین اور دعوتِ دین کی راہ میں حائل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دین میں جماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے، اور اقامتِ دین اور دعوتِ دین کی جدّ وجہد کے لیے ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ایک جماعت ہو، پھر خدا کی راہ میں سعی وجہد کی جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی، اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔(۱)

---

(۱) اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

انا امرکم بخمس اللّٰہ امرنی بھن الجماعة، والسمع والطاعة، والھجرة، والجھاد فی سبیل اللّٰہ فانه من خرج من الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع و من دعا بدعوی الجاھلیة فھو من جثی جھنم۔ قالوا یا رسول اللّٰہ و ان صام و صلّٰی؟ قال و ان صلّٰی و صام و زعم انه مسلم۔ (احمد وحاکم)

میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اُتار پھینکا الاّ یہ کہ وہ پھر جماعت کی طرف پلٹ آئے۔ اور جس نے جاہلیت (افتراق وانتشار) کی دعوت دی وہ جہنمی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟ فرمایا ہاں اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) کارِ دین کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے جماعت ہو اور اس کی ایسی تنظیم ہو کہ سب لوگ کسی ایک کی بات سنیں۔ اور اس کی اطاعت کریں۔ پھر جیسا بھی موقع ہو اس کے لحاظ سے ہجرت اور جہاد کیا جائے۔

(۲) جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنا گویا اسلام سے علیحدہ ہونا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس زندگی کی طرف واپس جا رہا ہے جو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تھی کہ ان میں کوئی کسی کی سننے والا نہ تھا۔

(۳) اسلام کے بیش تر تقاضے اور اس کے اصل مقاصد جماعت اور اجتماعی سعی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے حضور نے جماعت سے الگ ہونے والے کو اس کی نماز اور روزے اور مسلمانی کے دعوے کے باوجود اسلام سے نکلنے والا قرار دیا۔ اِسی مضمون کی شرح ہے، جو حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی ہے کہ: لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ۔

(جامع بیان العلم لابن عبدالبر)

ہماری دعوت

جولوگ اس بات کو بھی سمجھ لیتے ہیں اور اس فہم سے ان کے اندر مسلمان ہونے کی ذمے داری کا احساس اس حد تک قوی ہو جاتا ہے کہ اپنے دین کی خاطر اپنی انفرادیت اور خود پرستی کو قربان کر کے جماعتی نظم کی پابندی قبول کر لیں، ان سے ہم کہتے ہیں کہ اب تمہارے سامنے تین راستے ہیں اور تمہیں پوری آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہو اختیار کرو۔ اگر تمہارا دل گواہی دے کہ ہماری دعوت، عقیدہ، نصب العین، نظامِ جماعت اور طریق کار سب کچھ خالص اسلامی ہے اور ہم وہی کام کرنے اُٹھے ہیں جو قرآن وحدیث کی رو سے اُمتِ مُسلمہ کا اصل کام ہے تو ہمارے ساتھ آجاؤ۔ اگر کسی وجہ سے تمہیں ہم پر اطمینان نہ ہو اور کوئی دوسری جماعت تم کو ایسی نظر آتی ہو جو خالص اسلامی نصب العین کے لیے اسلامی طریق پر کام کر رہی ہو تو اس میں شامل ہو جاؤ۔ ہم خود بھی ایسی جماعت پاتے تو اس میں شامل ہو جاتے، کیوں کہ ہمیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چننے کا شوق نہیں ہے۔ اور اگر تم کو نہ ہم پر اطمینان ہے نہ کسی دوسری جماعت پر تو پھر تمہیں اپنے فرض اسلامی کو ادا کرنے کے لیے خود اُٹھنا چاہیے۔ اور اسلامی طریق پر ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جس کا مقصد پورے دین کو قائم کرنا اور قول وعمل سے اس کی شہادت دینا ہو۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی تم اختیار کرو گے ان شاء اللہ حق پر ہو گے۔ ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ بہ سلامتِ ہوش وحواس ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف ہماری ہی جماعت حق پر ہے اور جو ہماری جماعت میں نہیں ہے وہ باطل پر ہے۔ ہم نے کبھی لوگوں کو اپنی جماعت کی طرف دعوت نہیں دی ہے، ہماری دعوت تو صرف اس فرض کی طرف ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر اور آپ پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ اگر آپ اس کو ادا کر رہے ہیں تو برحق ہیں خواہ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں یا نہ کریں البتہ یہ بات کسی طرح دُرست نہیں ہے کہ آپ نہ خود اُٹھیں، نہ کسی اُٹھنے والے کا ساتھ دیں اور طرح طرح کے حیلے اور بہانے کر کے اقامتِ دین وشہادت علی الناس کے فریضے سے جی چُرائیں۔ یا ان کاموں میں اپنی قوتیں خرچ کریں جن سے دین کے بجائے کوئی دوسرا نظام قائم ہوتا ہو اور اسلام کے بجائے کسی اور چیز کی گواہی آپ کے قول وعمل

سے ملے۔ معاملہ دُنیا اور اس کے لوگوں سے ہوتا تو حیلوں اور بہانوں سے کام چل سکتا تھا۔ مگر یہاں معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو علیم بذات الصدور ہے، اسے کسی چال بازی سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

نئی جماعت کا قیام

اس میں شک نہیں کہ ایک ہی مقصد اور ایک ہی کام کے لیے مختلف جماعتیں بننا بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور اس میں انتشار کا بھی اندیشہ ہے۔ مگر جب نظامِ اسلامی درہم برہم ہو چکا ہو اور سوال صرف اس نظام کے چلانے کا نہیں بلکہ اس کے از سرِ نو قائم کرنے کا ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں وہ الجماعۃ وجود میں آجائے جو تمام اُمت کو شامل ہو۔ جس کا التزام ہر مسلمان پر واجب ہو اور جس سے علیحدہ رہنا جاہلیت اور علیحدہ ہونا ارتداد کا ہم معنی ہو۔ آغاز کار میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ جگہ جگہ مختلف جماعتیں اس مقصد کے لیے بنیں۔ اور اپنے اپنے طور پر کام کریں۔ یہ سب جماعتیں بالآخر ایک ہو جائیں گی اگر نفسانیت اور افراط وتفریط سے پاک ہوں اور خلوص کے ساتھ اصل اسلامی مقصد کے لیے اسلامی طریق پر کام کریں۔ حق کی راہ میں چلنے والے زیادہ دیر تک الگ نہیں رہ سکتے۔ حق ان کو جمع کر کے ہی رہتا ہے، کیوں کہ حق کی فطرت ہی جمع وتالیف اور وحدت ویگانگت کی متقاضی ہے۔ تفرقہ صرف اس صورت میں رونما ہوتا ہے جب حق کے ساتھ کچھ نہ کچھ باطل کی آمیزش ہو یا اوپر حق کی نمائش ہو اور اندر باطل کام کر رہا ہو۔

ہمارا لائحہ عمل

اب میں اختصار کے ساتھ یہ بھی عرض کر دوں کہ جو لوگ ہماری جماعت کو پسند کر کے اس میں داخل ہوتے ہیں اُن سے ہمارا مطالبہ کیا ہوتا ہے اور ان کے لیے ہمارے پاس کام کیا ہے؟ اپنے ارکان سے ہمارا کوئی مطالبہ اس مطالبے کے سوا نہیں ہے جو اسلام نے ہر مسلمان سے کیا ہے۔ ہم نہ تو اسلام کے اصل مطالبے پر ذرّہ برابر کسی چیز کا اضافہ کرتے ہیں اور نہ اس میں سے کوئی چیز گھٹاتے ہیں ـــــ ہم ہر شخص کے سامنے پورے اِسلام کو بے کم وکاست پیش کر دیتے

ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اس دین کو جان بوجھ کر شعور کے ساتھ قبول کرو۔ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔ اپنے خیالات اور اقوال و اعمال سے ہر اس چیز کو خارج کرو جو دین کے احکام اور اُس کی رُوح کے خلاف ہو، اور اپنی پوری زندگی سے ''اسلام'' کی شہادت دو۔ بس یہی ہمارے ہاں داخلے کی فیس ہے اور یہی ہمارے قواعدِ رُکنیت ہیں۔ ہمارا دستور، ہمارا نظامِ جماعت اور وہ چیز جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں سب کے سامنے عیاں ہے، اور اس کا جائزہ لے کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ہم نے اصل اسلام میں ـــــ اس اسلام میں جو قرآن و سنت پر مبنی ہے ـــــ نہ کوئی کمی کی ہے نہ بیشی، اور ہم ہر وقت تیار ہیں کہ ہماری جس چیز کے متعلق بھی کوئی ثابت کر دے گا کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیم پر اضافہ ہے اُسے ہم اپنے ہاں سے خارج کر دیں گے۔ اور جس چیز کے متعلق بھی بتا دے گا کہ وہ اس تعلیم میں ہے اور ہمارے ہاں نہیں ہے اسے ہم بلا تامل اختیار کر لیں گے۔ کیوں کہ ہم تو اُٹھے ہی پورے دین کی بے کم و کاست اقامت اور شہادت کے لیے ہیں۔ پھر ہم سے بڑا ظالم اور کون ہو گا اگر ہم اپنے اِسی مقصد میں منافق ثابت ہوں۔

اس طرح جو لوگ ہمارے نظامِ جماعت میں شامل ہوتے ہیں اُن کے لیے ہمارے پاس صرف یہ کام ہے کہ وہ اپنے قول اور عمل سے اسلام کی شہادت دیں، اور نظامِ دین کو مکمل طور پر قائم کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کریں۔ تاکہ شہادت علی الناس کا حق پوری طرح ادا ہو سکے۔ جہاں تک قولی شہادت کا تعلق ہے، ہم اپنے ارکان کو ایسی تربیت دے رہے ہیں جس سے وہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق زبان اور قلم سے اسلام کی زیادہ سے زیادہ معقول شہادت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ نیز ہم ایسے ادارے بھی قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو منظم طریقے سے علم و ادب کے ہر شعبے میں زندگی کے جملہ مسائل سے متعلق اِسلامی تعلیمات کی حقانیت کو دُنیا پر واضح کر دیں اور اس مقصد کے لیے نشر و اشاعت کے تمام ممکن ذرائع سے کام لیں۔ رہی عملی شہادت تو اس بارے میں ہماری کوشش یہ ہے کہ اول تو ایک ایک شخص اسلام کا زندہ گواہ ہو پھر ان افراد سے ایک ایسی منظم سوسائٹی نشو و نما پائے جس کے اندر اسلام اپنی اصل اسپرٹ میں کام کرتا ہوا دیکھا جا سکتا ہو۔ اور بالآخر یہ سوسائٹی اپنی جدوجہد سے نظامِ باطل کے غلبے کو مٹا کر وہ نظامِ حق قائم کرے جو دُنیا میں اسلام کی مکمل نمائندگی کرنے والا ہو۔

ایک الزام

حضرات! بس یہ ہے ہمارا مقصد اور یہ ہے ہمارا پروگرام۔ ہمیں امید نہ تھی کہ یہ چیز بھی ایسی ہو سکتی ہے جس پر کسی مسلمان کو اعتراض ہو۔ مگر جس روز سے ہم نے اس راہ میں قدم رکھا ہے اعتراضات کا ایک نہ رُکنے والا سیلاب ہے کہ اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ تمام اعتراضات تو نہ قابلِ توجہ ہیں اور نہ ایک صحبت میں ان سب سے تعرض ہی کیا جا سکتا ہے مگر اس موقعے پر میں صرف ان چند اعتراضات پر کچھ عرض کروں گا، جو آپ کے شہر میں غلط فہمیاں پھیلانے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تمہاری یہ جماعت (جماعت اسلامی) اِسلام میں ایک نئے فرقے کی بنا ڈال رہی ہے۔ یہ بات جو لوگ کہتے ہیں اُنھیں شاید معلوم نہیں ہے کہ فرقہ بندی کے اصل اسباب کیا ہوتے ہیں۔ دین میں جن باتوں کی وجہ سے تفرقہ برپا ہوتا ہے، اُن سب کا اگر آپ استقصا کریں گے تو وہ صرف چار عنوانات پر تقسیم ہوں گی۔ ایک یہ کہ اصل دین پر کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا جائے جو دین میں نہ ہو اور اسی کو اختلافِ کفر و ایمان یا فرقِ ہدایت و ضلالت کی بُنیاد بنا ڈالا جائے۔ دوسرے یہ کہ دین کے کسی خاص مسئلے کو لے کر اس کو وہ اہمیت دی جائے جو کتاب و سنت کی رو سے اس کو حاصل نہیں ہے اور اسی کو گروہ بندی کی بنا قرار دے لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اجتہادی و استنباطی مسائل میں غلو کیا جائے اور ان امور میں اپنے مسلک کے سوا دوسرے مسلک والوں کی تفسیق و تذلیل یا تکفیر کی جائے یا کم از کم اُن سے امتیازی معاملہ کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ نبی کے بعد کسی خاص شخصیت کے معاملے میں غلو کیا جائے اور اس کے لیے کسی ایسے منصب کا دعویٰ کیا جائے جسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر آدمی کے مومن یا کافر ہونے کا مدار ہو۔ یا کوئی جماعت یہ دعویٰ کرے کہ جو اس میں داخل ہے صرف وہی حق پر ہے، باقی سب مسلمان باطل پر ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ ہم نے ان چاروں عنوانات میں سے کس عنوان کی غلطی کی ہے؟ اگر کوئی صاحب دلیل و ثبوت کے ساتھ ہمیں صاف صاف بتا دیں کہ ہم نے واقعی فلاں عنوان کی

غلطی کی ہے تو ہم فی الفور توبہ کریں گے۔ اور ہمیں اپنی اصلاح کرنے میں ہرگز تامل نہ ہوگا۔ کیوں کہ ہم خدا کے دین کو قائم کرنے کے لیے اُٹھے ہیں۔ تفرقہ برپا کرنے نہیں اُٹھے ہیں۔ لیکن اگر ایسی کوئی غلطی ہم نے نہیں کی ہے تو پھر ہمارے کام سے کسی فرقے کی پیدائش کا اندیشہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ہم صرف اصل اسلام اور بے کم وکاست پورے اسلام کو لے کر اُٹھے ہیں اور مسلمانوں کو ہماری دعوت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آؤ ہم سب مل کر اس کو عملاً قائم کریں اور دُنیا کے سامنے اس کی شہادت دیں۔

اجتماع کی بنیاد ہم نے پورے دین کو قرار دیا ہے نہ کہ اس کے کسی ایک مسئلے یا چند مسائل کو۔ اِجتہادی مسائل میں ہم تمام اُن مذاہب ومسالک کو برحق تسلیم کرتے ہیں جن کے لیے قواعد شریعت میں گنجایش ہے۔ ہر ایک کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ اِن مذاہب ومسالک میں سے جس کا جس پر اطمینان ہو وہ اپنی حد تک اس پر عمل کرے اور کسی خاص اجتہادی مسلک کی بنیاد پر گروہ بندی کو ہم جائز نہیں رکھتے۔

اپنی جماعت کے بارے میں بھی ہم نے کوئی غلو نہیں کیا ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حق ہماری جماعت میں دائر ومنحصر ہے۔ ہم کو اپنے فرض کا احساس ہوا اور ہم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کو آپ کا فرض یاد دِلا رہے ہیں۔ اَب یہ آپ کی خوشی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کھڑے ہوں یا خود اُٹھیں اور اپنا فرض اَدا کریں، یا جو بھی آپ کو یہ فرض اَدا کرتا نظر آئے اس کے ساتھ مل جائیں۔

امارت کے باب میں بھی ہم کسی غلو کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں ہماری یہ تحریک کسی شخصیت کے بل پر نہیں اٹھی ہے جس کے لیے کسی خاص منصب کا دعویٰ کیا گیا ہو، جس کی کرامتوں اور الہامات اور تقدس کی داستانوں کا اشتہار دیا جاتا ہو، جس کی ذاتی عقیدت پر جماعت کی بنیاد رکھی گئی ہو اور جس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہو۔ دعووں اور خوابوں اور کشوف وکرامات اور شخصی تقدس کے تذکروں سے ہماری تحریک بالکل پاک ہے۔ یہاں دعوت کسی شخص یا اشخاص کی

طرف نہیں ہے بلکہ اس مقصد کی طرف ہے جو قرآن کی رُو سے ہر مسلمان کا مقصدِ زندگی ہے۔ اور ان اُصولوں کی طرف ہے جن کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ جو لوگ بھی اس مقصد کے لیے ان اصولوں پر ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیں وہ مساوی حیثیت سے ہماری جماعت کے رُکن بنتے ہیں۔ یہ ارکان ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کرتے ہیں، نہ اس بنا پر کہ امارت اس کا کوئی ذاتی حق ہے بلکہ اس بنا پر کہ بہر حال منظم طریقے پر کام کرنے کے لیے ایک سربراہ کار ہونا ہی چاہیے۔ یہ منتخب کردہ امیر معزول کیا جاسکتا ہے اور جماعت میں سے کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ امارت کے لیے چنا جاسکتا ہے۔ یہ امیر صرف اسی جماعت کا امیر ہے نہ کہ تمام اُمت کا، اس کی اطاعت صرف انھی لوگوں پر لازم ہے جو اس جماعت میں شامل ہوں اور ہمارے ذہنوں میں ایسا کوئی تصور تک نہیں ہے کہ ''جس کی گردن میں اس کی بیعت کا قلادہ نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

اب خدارا مجھے بتائیے کہ جب ہم اس طریقے پر کام کر رہے ہیں تو آخر ہماری اس تحریک سے امت میں ایک نیا فرقہ کیسے بن جائے گا؟ عجیب تربات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دامن خود ان غلطیوں سے آلودہ ہیں، جن کی وجہ سے فرقہ بندی کا فتنہ رونما ہوتا ہے، جن کے ہاں خوابوں اور کشفوں اور کرامتوں کے چرچے ہیں، جن کے ہاں سارا کام کسی ''حضرت'' کی شخصی عقیدت کے بل پر چل رہا ہے، جن کے ہاں کسی شخصیت کے لیے کسی مخصوص منصب کا دعویٰ کیا جاتا ہے، جن کے ہاں فروعی مسائل پر جھگڑے اور مناظرے ہوتے ہیں اور اجتہادی مسالک پر دھڑے بندیاں کی جاتی ہیں وہی ہم کو الزام دینے میں پیش پیش ہیں۔ اگر کوئی بُرا نہ مانے تو میں صاف کہوں کہ ہمارا اصل قصور جس پر یہ حضرات بگڑے ہوئے ہیں وہ نہیں ہے جو یہ زبانوں سے کہتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم نے دین کے اس اصلی کام کی طرف دعوت دی جو اُن کے نفس کو مرغوب نہیں ہے، اور اس کام کے لیے وہ صحیح طریقہ اختیار کیا جس سے ان کے اپنے طریقوں کی غلطیاں بے نقاب ہونے لگیں۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ اگر تمہیں یہی کام کرنا تھا تو ضرور کرتے مگر تم نے ایک الگ

جماعت مستقل نام کے ساتھ کیوں بنائی۔ اس سے تو امّت میں انتشار پیدا ہوتا ہے ــــــ فی الواقع یہ ایک عجیب اعتراض ہے۔ میں حیران ہوں کہ جب لادینی یا خلافِ دین سیاست کے لیے، غیر اسلامی تعلیم کے لیے، مذہبی دھڑے بندیوں کے لیے اور خالص دنیوی اغراض کے لیے، مغرب کے جمہوری یا فاشسی طریقوں پر مسلمانوں کی انجمنیں اور جماعتیں مستقل ناموں کے ساتھ بنتی ہیں تو انھیں ٹھنڈے دِل سے برداشت کیا جاتا ہے، لیکن اگر دین کے اصل کام کے لیے خالص دینی اُصولوں پر کوئی جماعت بنتی ہے تو یکایک امت میں انتشار کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور صرف یہی ایک جماعت سازی قابلِ برداشت نہیں ہوتی۔ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ معترضین کو اصل میں چڑھ جماعت سازی سے نہیں بلکہ اس بات سے ہے کہ کوئی جماعت دین کے اصل کام کے لیے بنے۔ تاہم میں ان سے عرض کروں گا کہ جماعت سازی کا یہ قصور ہم نے مجبوراً کیا ہے نہ کہ شوقیہ۔ سب کو معلوم ہے کہ اس جماعت کی تشکیل سے پہلے میں برسوں اکیلا پکارتا رہا ہوں کہ مسلمانو! یہ تم کن راہوں میں اپنی قوتیں اور کوششیں صرف کر رہے ہو، تمہارے کرنے کا اصل کام تو یہ ہے، اس پر اپنی تمام مساعی مرکوز کرو۔ یہ دعوت اگر سب مسلمان قبول کر لیتے تو کہنا ہی کیا تھا، مسلمانوں میں ایک جماعت بننے کے بجائے مسلمانوں کی ایک جماعت بنتی اور کم از کم ہندستان کی حد تک وہ "الجماعۃ" ہوتی، جس کی موجودگی میں کوئی دوسری جماعت بنانا شرعاً حرام ہوتا۔ یہ بھی نہیں تو مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں سے کوئی ایک ہی اُسے مان لیتی تب بھی ہم راضی تھے، اسی میں بہ خوشی شامل ہو جاتے۔ مگر جب پکار پکار کر ہم تھک گئے اور کسی نے سن کر نہ دیا، تب ہم نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ وہ سب لوگ جو اس کام کو حق اور فرض سمجھ چکے ہیں خود ہی مجتمع ہوں اور اس کے لیے اجتماعی سعی کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ نہیں تو ہمیں اور کیا کرنا چاہیے تھا؟ تم کو اگر اس کام کے فرض ہونے سے انکار ہے تو دلیل انکار ارشاد ہو۔ اگر انکار نہیں تو بتاؤ کیا واقعی تمہاری یہ مختلف انجمنیں اور جماعتیں یہی فرض انجام دے رہی ہیں؟ اگر یہ بھی نہیں تو کیا اب تمہارے ہاں نوبت یہ آگئی ہے کہ جو فرض کو پہچانے اور اسے ادا کرنے کے لیے اُٹھے وہی اُلٹا قصوروار قرار پائے۔

امیر کی اصطلاح پر اعتراض

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تم نے اپنی جماعت کے لیڈر کے لیے "امیر" کا لفظ کیوں اختیار کیا؟ امیر یا امام تو صرف بااختیار اور صاحبِ سیف ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی تائید میں کچھ حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امامت یا تو امامتِ علم ہے، یا امامتِ نماز، یا امامتِ قتال و جہاد۔ اس کے سوا کوئی تیسری قسم امامت کی نہیں ہے ــــ یہ اعتراض جو حضرات کرتے ہیں وہ صرف اُس وقت کی فقہ اور اسی وقت کی احادیث سے واقف ہیں جب اسلامی نظامِ سیاسی اقتدار کی منزل کو پہنچ چکا تھا۔ اور صاحبِ سیف امامت قائم ہو گئی تھی۔ مگر اُن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جب سیف چھن جائے، مُسلمانوں کی جماعت اختیار و اقتدار سے محروم ہو جائے اور اسلامی نظام جماعت بھی درہم برہم ہو جائے تو اس وقت کے لیے کیا احکام ہیں؟ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ ایسی حالت میں کیا مُسلمانوں کو یہی کام کرنا چاہیے کہ فرد فرد الگ ہو جائے، اور بیٹھ کر بس دُعا کرتا رہے کہ خدایا کوئی صاحبِ سیف امام بھیج دے؟ یا ایسی امامت قائم کرنے کے لیے کوئی اجتماعی سعی بھی ہونی چاہیے؟ اگر وہ کہتے ہیں کہ اجتماعی سعی ہونی چاہیے تو براہِ کرم وہ ہمیں بتائیں کہ جماعت بنائے بغیر بھی کوئی اجتماعی سعی کی جا سکتی ہے؟ اگر وہ مانتے ہیں کہ جماعت بنائے بغیر چارہ نہیں ہے تو کیا کوئی جماعت کسی رہ نما، کسی سربراہ کار، کسی صاحبِ امر کے بغیر بھی چل سکتی ہے؟ اگر وہ اس کی ضرورت بھی تسلیم کرتے ہیں تو وہ خود ہی ہم کو بتائیں کہ اس اِسلامی مقصد کے لیے جو اسلامی جماعت بنائی جائے اُس کے سربراہ کار کے لیے اِسلام میں کیا اصطلاح مقرر ہے؟ جو اصطلاح بھی وہ ارشاد فرمائیں گے، ہم اُسی کو قبول کر لیں گے بشرطے کہ وہ ہو اسلامی اصطلاح! یا پھر وہ صاف صاف یہی کہہ دیں کہ اِسلام میں سیف حاصل ہونے کے بعد کے لیے تو ہدایات موجود ہیں، لیکن "بے سیفی" کی حالت میں سیف کس طرح حاصل کی جائے، اس باب میں اس نے کوئی ہدایت نہیں دی ہے۔ اور یہ کام جس کو کرنا ہو اُسے غیر اسلامی طریقوں پر غیر اسلامی اصطلاحوں سے کرنا چاہیے۔ اگر ان حضرات کا یہ منشا نہیں ہے تو ہمارے لیے یہ معمہ ناقابلِ حل ہے کہ صدر، لیڈر اور قائد وغیرہ اصطلاحیں استعمال کی جائیں تو وہ سب انھیں گوارا ہیں مگر امیر کی اسلامی اصطلاح سنتے ہی یہ کیوں چراغ پا ہوتے ہیں۔

عام طور پر لوگوں کو اس مسئلے کے سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے عہد میں جب امیر یا امام کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی اس وقت اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور جس زمانے میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی تھی اس وقت حضورؐ خود نبی کی حیثیت سے اقامتِ دین کی جدو جہد کی قیادت فرما رہے تھے۔ اِس لیے امارت یا امامت کی اصطلاحیں استعمال کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ لیکن اسلام کے پورے نظام پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دین مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام میں نظم چاہتا ہے اور اس نظم کی صحیح صورت یہ تجویز کرتا ہے کہ کام جماعت بن کر کیا جائے۔ جماعت میں سمع و طاعت ہو، اور ایک شخص اس کا امیر ہو۔ نماز پڑھی جائے تو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، اور ایک اس کا امام ہونا چاہیے، حج کیا جائے تو منظم طریق سے کیا جائے اور ایک اُس کا امیرِ حج ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ تین آدمی اگر سفر کو نکلیں تب بھی ان کو منظم طریقے سے سفر کرنا چاہیے اور اپنے ایک ساتھی کو امیر بنا لینا چاہیے۔

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِی سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا عَلَیْھِمْ اَحَدَھُمْ۔ (۱) (ابوداؤد)

اِسلامی شریعت کی یہی وہ روح ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

> جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔ (۲)

پس ہمارا استنباط یہ ہے کہ اقامت دین اور شہادت علی الناس کی سعی کے لیے جو جماعت بنائی جائے اس کے سربراہ کار کے لیے امیر یا امام کے لفظ کا استعمال بالکل صحیح ہے۔ مگر

---

(۱) بلکہ مسند احمد میں جو روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل ہوئی ہے اس میں تو یہ الفاظ ہیں کہ لا یحل لثلاثة یکونوا بفلاة من الارض الا امروا علیھم احدھم ''حلال نہیں ہے یہ بات کہ تین آدمی کسی جنگل میں ہوں اور وہ اپنے اوپر اپنے میں سے ایک کو امیر نہ بنالیں'' اس سے معلوم ہوا کہ صرف سفر ہی میں نہیں بلکہ ہر حالت میں مسلمانوں کو منظم زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اور اُن کا کوئی اجتماعی کام بھی جماعت اور امارت کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة۔ (جامع بیان العلم لابن عبد البر)

چوں کہ لفظ ''امام'' کے ساتھ بعض خاص معنی لگ گئے ہیں اس لیے ہم نے فتنے سے بچنے کی خاطر اس لفظ کو چھوڑ کر امیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ایک مضحکہ خیز اعتراض اور اس کا ازالہ

ایک نرالا اعتراض یہ بھی سننے میں آیا کہ جو شخص اس طرح جماعت کا سربراہ کار چنا جائے اس کو زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ زکوٰۃ صرف اسلامی حکومت کا امیر ہی وصول کر سکتا ہے۔ غالباً ان معترضین کو تحصیل زکوٰۃ کے معاملے میں ہمارا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ ہم نے عام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ ہمارے بیت المال میں داخل کریں۔ اور نہ ہم نے کبھی یہ کہا ہے کہ جو مسلمان زکوٰۃ ہمارے حوالے نہ کرے گا اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ہم صرف اپنی جماعت کے ارکان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی زکوٰۃ جماعت کے بیت المال میں جمع کیا کریں اور اس سے ہمارا بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو شریعت کے منشا کے مطابق اجتماعی طور پر زکوٰۃ جمع اور صرف کرنے کی عادت ہو۔ براہ کرم کوئی ہمیں بتائے کہ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو اس میں کیا شرعی قباحت ہے اور یہ کس حکم شرعی کے خلاف ہے؟ اگر ہمیں لوگوں سے یہ کہنے کا حق ہے کہ نماز گھروں میں الگ الگ نہ پڑھو، بلکہ جماعت کے ساتھ پڑھو تو آخر یہ کہنے کا حق کیوں نہیں ہے کہ زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کرنے کے بجائے اجتماعی طور پر ادا کرو؟ پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر چندہ لیا جائے تو جائز، داخلے کی فیس اور رُکنیت کی فیس لگائی جائے تو دُرست مگر خدا اور رسول کے عائد کیے ہوئے فرض کو ادا کرنے کی دعوت دی جائے تو ناجائز؟

اِس سے بھی زیادہ ایک نرالا اعتراض یہ سننے میں آیا ہے کہ ''تم نے بیت المال کیوں بنایا؟'' ــــ اِس قسم کے اعتراضات سُن کر معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کو شاید اسلام کی اصطلاحات ہی سے کچھ بُغض ہو گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر جماعت اور ہر انجمن اپنا ایک خزانہ ضرور رکھتی ہے تاکہ اجتماعی کاموں میں مال صرف کر سکے۔ ہماری جماعت کا بھی ایک خزانہ ہے اور اُس کو ہم

بیت المال کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہی اسلامی اصطلاح ہے۔ اگر ہم اس کا نام خزانہ رکھتے تو ان کو کوئی اعتراض نہ تھا، اگر ہم اس کو (Treasury) کہتے تب بھی یہ خوش تھے۔ مگر جب ہم نے اس کے لیے ایک اسلامی اصطلاح استعمال کی تو یہ اس کو برداشت نہ کر سکے۔

اِن اعتراضات میں سے اکثر اتنے مہمل تھے کہ میں ان کا ذکر کر کے اور ان کا جواب دے کر حاضرین کا وقت ضائع کرنا کبھی پسند نہ کرتا، مگر میں نے یہ چند چیزیں نمونے کے طور پر صرف اِس لیے پیش کی ہیں کہ جو لوگ نہ خود اپنا فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کو ادا کرنے دینا چاہتے ہیں وہ کس قسم کے حیلے بہانے اور اعتراضات شبہات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور کس طرح خدا کے راستے سے خود رُکتے ہیں اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا طریقہ جھگڑے اور مناظرے کرنے کا نہیں ہے اگر کوئی شخص ہماری بات کو سیدھی طرح سمجھنا چاہے تو ہم ہر وقت اس کو سمجھانے کے لیے حاضر ہیں اور اگر کوئی ہماری غلطی ہم کو معقول طریقے سے سمجھانا چاہے تو ہم سمجھنے کے لیے بھی تیار ہیں، لیکن اگر کسی کے پیشِ نظر محض اُلجھنا اور اُلجھانا ہی ہو تو ہم اس سے کوئی تعرض کرنا پسند نہیں کرتے۔ اُس کو اختیار ہے کہ جب تک چاہے اپنا یہ شغل جاری رکھے۔ (۳۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۳-۱۹۷۹) بیسوی صدی عیسوی کے عظیم المرتبت اسلامی اسکالر، رفیع الشان مصنف، انقلابی مفکر اور صاحبِ عزم وثبات قائد و رہنما تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اعلاے کلمۃ الحق اور اسلام کے غلبہ وقیام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ایک تحریک ـــــــــ جماعتِ اسلامی ـــــــــ کی بنا ڈالی، جو ۱۹۴۱ سے پوری یک سوئی اور تن دہی کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے ساعی وکوشاں ہے۔ متعدد بار جیل گئے، ۱۹۵۳ میں ختم نبوت سے متعلق ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں پھانسی کی سزا بھی تجویز ہوئی، لیکن کبھی ان کے پاے استقامت میں لغزش نہ آئی۔

مولانا مودودیؒ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ (۳ رجب المرجب ۱۳۲۱ ہجری) کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم سید احمد حسن مودودیؒ ایک محتاط وکیل اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے، مولانا شاہ محی الدینؒ سے اُنھیں شرف بیعت حاصل تھا، والدہ محترمہ رقیہ خاتونؒ بھی ایک دین دار وخدا ترس خاتون اور اس عہد کے نام ور شاعر مرزا قربان علی بیگ سالکؔ دہلوی (تلمیذ غالب) کی بیٹی تھیں۔ مولانا نے قاعدہ بغدادی سے لے کر قرآن ناظرہ، اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ عربی زبان کی صرف ونحو اور فقہ وحدیث کی بعض کتابیں بھی گھر پر ہی مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ انگریزی ایک نومسلم انگریز سے سیکھی۔ گھر پر مناسب تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اورنگ آباد کے مدرسہ فوقانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۳ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ حدیث میں صحاح اور فقہ ومعقولات کی کتابیں دہلی میں مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا شریف اللہ خاںؒ اور علامہ عبدالسلام نیازیؒ سے پڑھیں۔

مولانا نے ۱۰۰ سے زائد کتابیں لکھیں، جن میں تفہیم القرآن، تفہیم الاحادیث، سنت کی آئینی حیثیت، خطبات، دینیات، تفہیمات، رسائل ومسائل، خلافت وملوکیت، سود، پردہ اور حقوق الزوجین ان کی اہم تصانیف سمجھی جاتی ہیں۔ دنیا کی کم وبیش چالیس زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔